ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمٰن

سیرتِ طیبہ کی روشنی میں تعمیر سیرت

کسی بھی شخص کی درستگیٔ اعمال اور اس کی شخصیت کے ارتقاء کے لیے نمونۂ عمل وہی زندگی بن سکتی ہے جو خود کامل ہو۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو مذاہب کی دُنیا ہو یا مذاہب سے ہٹ کر عالمی مصلحین—— صرف دو چار ہی زندگیاں اس معیار پر پوری اُترتی نظر آتی ہیں۔ بحیثیت مسلمان ہم تمام انبیاء و مرسلین کی صداقت کی شہادت دیتے ہیں لیکن اسے مشیتِ ایزدی سمجھیے کہ اس وقت دُنیائے معلوم میں اگر تاریخ نے کسی مقدس زندگی کے ہر پہلو کو محفوظ رکھا ہے تو وہ محمد عربی ﷺ کی حیاتِ مقدسہ ہے۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال و افعال ہی نہیں آپ کا لطیف اندازِ بیان اور حسنِ معاشرت کی حکایات نسل در نسل منتقل ہوتی ہوئی صرف صفحۂ قرطاس پر ہی نہیں رسولِ عربیؐ کے ماننے والوں کے اعمال میں بھی جھلک رہی ہیں۔ ایک دو مثالوں سے اپنی بات کا ابلاغ کرنا چاہتا ہوں۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

کافل الیتیم له او لغیره انا و هو کهاتین فی الجنة واشار مالک سبابة والوسطیٰ۔[۱]

اور اس کے ساتھ اپنی دو انگلیاں بلند فرمائیں۔ آج چودہ سو سال گزرنے کے باوجود کسی محدث کے درسِ حدیث میں چلے جائیے تو وہ جب اس حدیث کو روایت کرتا ہے تو صرف الفاظ کے بیان پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ دونوں انگلیاں بھی بلند کرتا ہے، گویا وہ قولِ مصطفیٰ ﷺ کو بھی بیان

کرتا ہے اور ادائے مصطفی ﷺ کو نقل کر کے اگلی نسل کو منتقل کرتا ہے۔

☆ ایک روایت میں آیا ہے کہ سیّدنا امیر المومنین علی ابن ابی طالبؓ کا دورِ حکومت ہے۔ آپ نے اپنے خادم کو گھوڑا لانے کا حکم دیا، گھوڑا لایا گیا۔ آپ کے حکم سے اس پر زین کسی گئی، لگام چڑھائی گئی۔ آپؓ آگے بڑھے، رکاب میں پاؤں ڈالا اور گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو گئے، اور معاً نیچے اُتر آئے۔ وہاں موجود حاضرین نے عرض کیا، یا امیر المومنین! اگر کہیں جانا مقصود نہیں تھا تو اس سارے تکلف کی کیا ضرورت تھی؟ آپؓ نے ارشاد فرمایا کہیں جانا مقصود نہیں تھا، ایک مرتبہ ایسا ہی ہوا تھا، آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کاشانۂ نبوت سے باہر تشریف لائے تھے، گھوڑا منگوایا گیا، زین کسی گئی، لگام چڑھائی گئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سوار ہوئے اور پھر نیچے اُتر آئے۔ مَیں تو صرف اپنے محبوب آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کی پیروی کر رہا تھا۔

☆ دُنیائے جذب و مستی کے ایک اور پاکباز کے عمل پر بھی نگاہ ڈالیے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ آنے والے ایک قافلے میں شاملِ سفر ہیں، قافلہ ایک مقام پر پڑاؤ ڈالتا ہے، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اُٹھ کر ایک سمت چل دیتے ہیں۔ تھوڑی دُور جا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ایک صحابیٔ رسولؐ نے پوچھا: اے ابنِ عباس! آپ گئے، فوراً واپس آ گئے، کیا معاملہ ہے؟ فرمایا جانے کے لیے کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ایک مرتبہ میں آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ شریکِ سفر تھا، اسی مقام پر قافلہ اُترا تھا اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام اُٹھ کر ضرورت کے لیے اسی مقام پر گئے تھے، مَیں تو صرف آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع کر رہا تھا۔

عن مجاهد قال: كنا مع ابن عمر في سفر فمر بمكان فحاد عنه فسئل لم فعلت؟ فقال رأيت رسول الله فعل هذا ففعلت ـ[۲]

☆ ایک معروف حدیث میں ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام اُسے بیان کرتے وقت مسکرا دیے، صحابہؓ نے مسکرانے کی وجہ پوچھی، آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جبریلؑ جس وقت یہ حدیث بیان فرما رہے تھے وہ بھی مسکرا رہے تھے۔ مَیں نے جبریلؑ سے پوچھا

مسکرانے کا سبب کیا ہے؟ اُنھوں نے کہا جب میرا رب یہ پیغام دے رہا تھا وہ بھی ''مسکرا'' رہا تھا۔[۳] آج چودہ سو سال گزرنے کے باوجود جب کوئی محدث یہ حدیث بیان کرتا ہے تو صرف الفاظ کو روایت نہیں کرتا بلکہ مسکراتا بھی ہے، اس لیے کہ وہ قولِ رسول ﷺ کے ساتھ ساتھ ادائے رسول ﷺ کو بھی منتقل کر رہا ہوتا ہے۔

ان تفصیلات کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہی مقدس زندگی انسانوں کی سیرتوں کی تعمیر کر سکتی ہے جس کی زندگی کا لمحہ لمحہ محفوظ ہو۔ جو زندگی صرف اصول وضوابط بیان کرتی ہو اور اس کے اپنے ہی اصولوں کی جھلک اس کے عمل میں نظر نہ آئے وہ دوسروں کے کردار پر کوئی نقش مرتسم نہیں کر سکتی۔ سیرتِ طیبہ کے ایک ایک فرمان پر نظر ڈالیے اور پھر مکہ اور مدینہ کی گلیوں میں چلنے والے پیغمبر خدا کی پاکیزہ زندگی پر نظر ڈالیے، بے شبہ لکھا ہوا قرآنِ پاک، کاغذ کے صفحات پر نظر آتا ہے اور چلتا پھرتا قرآن مکہ اور مدینہ کی گلیوں میں نظر آتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا فرمان:

کان خلقه القرآن۔[۴]

پوری آب وتاب کے ساتھ چمکتا دمکتا دکھائی دیتا ہے۔ اُمت کو پانچ وقت نماز پڑھنے کا حکم دیا مگر خود رات کو اس انداز سے قیام کیا کہ مبارک پاؤں پر ورم آ گیا اور خالقِ کائنات نے فرمایا:

يآ ايّها المزمّل قُم اللّيلَ اِلا قلِيلًا. نِصفَهٗ أو زِدْ عليهِ ورتّلِ القُرآنَ ترتيلًا۔[۵]

اُمت کو ایک مخصوص مقدار میں زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا اور اپنا عالم یہ ہے کہ اگر مالِ غنیمت میں سے چند اشرفیاں بچ جاتی ہیں اور سائلین کی صفیں ختم ہو جاتی ہیں تو ارشاد ہوتا ہے: بلالؓ! اس حال میں، مَیں اپنے گھر میں داخل نہیں ہوں گا جب تک کہ مال مستحقین تک پہنچ نہیں جاتا۔ علی الصبح جب سیّدنا بلالؓ، اس مال کے تقسیم ہونے کی خبر بارگاہِ رسالتمآب ﷺ میں دیتے ہیں تو اس وقت آپ علیہ السلام کاشانۂ نبوت میں تشریف لے جاتے ہیں۔ قول اور فعل کی یہی ہم آہنگی تھی جس نے آپؐ کے مخاطبین کی سیرت وکردار کی اس انداز سے تعمیر کی کہ اُن کی

تابناک زندگیاں بھی رہتی دُنیا تک مثال کی صورت اختیار کر گئیں۔

حضرت زید بن حارثہؓ کو رسالتمآب ﷺ کی خدمت میں حضرت سیّدنا خدیجۃ الکبریٰؓ نے پیش فرمایا تھا اور آنحضرت علیہ السلام نے انہیں اپنے متبنیٰ کی حیثیت سے سرفراز فرمایا تھا اور پھر چشمِ فلک نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ مکہ فتح ہو رہا تھا، افواجِ اسلامی مکہ کے ہر چہار اطراف سے داخل ہو رہی تھیں، ہر سواری پر دو دو سوار تشریف فرما تھے اور قصویٰ مصطفیٰ ﷺ پر رسالتمآب ﷺ کی کمر مبارک میں اپنے دونوں بازو حمائل کیے ہوئے وہ غلام نوجوان نظر آ رہا تھا جسے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا بیٹا ہونے کا اعزاز عطا فرمایا تھا۔[٦] اسی فتح مکہ کے موقع پر

لا فَضْل لِعربيٍّ عَلٰی عجميٍّ عَلٰی عربيٍّ ولا لابيض عَلٰی اسوَدُ ولا لاسُوَدَ عَلٰی ابيض الا بِالتقویٰ. الناس من آدمَ و آدَمُ مِنْ تُراب۔[٧]

کے نعرۂ حق بلند کرنے والے پیغمبر اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام بیت اللہ کی سیڑھیوں پر کھڑے نظر آتے ہیں، سامنے جانثارانِ مصطفیٰ ﷺ بھی ہیں اور منکرینِ رسالت بھی۔ دوستوں اور دشمنوں کے اس مجمع میں آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز بلند ہوتی ہے اور آپؐ سیّدنا بلال حبشیؓ کو حکم فرماتے ہیں کہ کعبے کی چھت پر چڑھ کر اللہ اکبر کی صدا بلند کرو۔[٨] رنگ و نسل، زبان و وطن کے امتیازات کی نفی کا یہ بے مثل مظاہرہ سیرتِ طیبہ کا درخشاں باب ہے۔ سیرتِ نبویؐ کے اسی عمل نے حضرت عمرؓ کے اندر یہ جذبہ پیدا فرمایا کہ آپ بحیثیت امیر المومنین تشریف فرما ہیں، سامنے سے سیّدنا بلالؓ تشریف لاتے ہیں تو

بلالُ سیّدنَا و مَولٰی سیّدِنا۔ (بلال ہمارا آقا ہے اور ہمارے آقا کا غلام ہے۔)

ارشاد فرماتے ہوئے احتراماً کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سیرتِ طیبہ کی قول و فعل کی اس ہم آہنگی نے قبائلی، نسلی، لسانی عصبیتوں میں جکڑے ہوئے معاشرے کی اس انداز سے تطہیر کی کہ آنے والے ادوار میں بندہ و آقا کی یہ تمیز معدوم نظر آتی ہے۔

اسی تعمیر سیرت کا کرشمہ تھا کہ فارس سے بطورِ غلام بکنے والے سلمان فارسیؓ سیّدنا

فاروقِ اعظمؓ کے زمانے میں دُنیائے اسلام کے سب سے زیادہ زرخیز صوبے مدائن کے گورنر مقرر کیے جاتے ہیں۔[۹]

ایک مسلم معاشرے میں تعمیر و کردار کے لیے بنیادی چیز عقیدۂ توحید ہے اور جب ہم سیرتِ طیبہ پر نظر ڈالتے ہیں تو مکہ کی وادی ہو یا صفا کی پہاڑی ہو، مسجد نبوی کا منبر و محراب ہو، بدر و احد کے میدان ہوں یا بیت اللہ کی سیڑھیاں ہوں، زبانِ نبوت سے ایک ہی صدا بلند ہوتی ہے:

قُولُوا لا اِلٰهَ اَلّا اللّٰه تُفلِحُوا۔[۱۰]

(کہو نہیں کوئی معبود مگر اللہ، کامیاب ہو جاؤ گے۔)

ذاتِ وحدہٗ لاشریک پر ایمان، انسانی کردار کو وہ قوت عطا کرتا ہے کہ پھر کوئی ترغیب و ترہیب اسے راہِ مستقیم سے ذرہ برابر ہٹنے نہیں دیتی۔ اصحابِ توحید کے سامنے یہ قولِ رسول منارۂ نور کی حیثیت سے روشن رہتا ہے کہ اے چچا! انہیں کہہ دیجیے کہ اگر یہ میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے ہاتھ پر سورج رکھ دیں تو پھر بھی حق بات کہنے سے باز نہیں آؤں گا۔[۱۱] یہ خدا کی وحدانیت پر لازوال ایمان ہی تو ہے کہ تین سو تیرہ انسان اپنے سے تین گناہ بڑی طاقت کے سامنے سینہ سپر ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ رب العالمین کی ذات پر پختہ ایمان ہی کا نتیجہ ہے کہ اپنی گلیوں، بازاروں، جائیدادوں، ماں باپ، خویش و اقارب کو چھوڑ کر مکہ والے مدینہ پہنچ جاتے ہیں۔

یہ عقیدۂ توحید ہی کا کرشمہ ہے کہ بدر کا میدان ہے، چچا کے سامنے بھتیجا، باپ کے سامنے بیٹا اور ماموں کے سامنے بھانجا کھڑا ہے۔ عقیدۂ توحید سے انسانی کردار میں یکسر تبدیلی رونما ہو جاتی ہے۔ ایک خدا کے سامنے جھکنے والا پھر کسی دوسرے کے سامنے اپنی جبینِ نیاز کو خم کرنے کے لیے کبھی تیار نہیں ہوتا۔ اور یہ عظمتِ کردار کی وہ معراج ہے جو اصحابِ توحید ہی کا نصیب ہے۔

تعمیر سیرت کے لیے دوسرا جذبۂ محرکہ عقیدۂ آخرت ہے:

وَ مَن یّعمل مثْقَالَ ذَرَّۃٍ خیراً یَّرہ و مَن یَعمَلُ مثقَالَ ذرّۃٍ شراً یَرہ۔[۱۲]
فرمانِ الٰہی جس کی نظروں کے سامنے ہو وہ کبھی بغاوت پر آمادہ نہیں ہوسکتا۔ اور یوں جس شخص کا ہر قدم اس عقیدے کے تحت اُٹھتا ہو وہ کبھی جادۂ مستقیم سے جدا نہیں ہوسکتا۔ ان دونوں عقیدوں کا مرکزی نقطہ محبتِ رسولؐ اور اطاعتِ رسولؐ ہے۔ جو شخص محبتِ رسولؐ سے سرشار ہو اور اطاعتِ رسولؐ کا نمونہ ہو، اس کی زندگی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی زندگی بن جاتی ہے، وہ مُعین الدین چشتی اجمیریؒ کہلاتا ہے، وہ ہند میں سرمایۂ ملت کے نگہبان کی شان لے کر شیخ احمد سرہندی کی صورت میں مرجع عقیدت بن جاتا ہے۔

سیرت و کردار کی تعمیر کے لیے منزل کا تعین اور پھر حصولِ منزل کے لیے وابستگی اور اپنی کامیابی کا پختہ یقین اہم بنیادی عناصر ہیں۔ ان تینوں حوالوں سے سیرتِ طیبہ پر نظر ڈالتے ہیں تو سیّد دو عالم ﷺ خدا پرستی کو اپنی منزل قرار دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک اہلِ جنوں نے خدا سے پوچھا: کیف الوصول الیک؟ (تم تک کیسے پہنچوں؟)۔

- دع نفسک و تعال۔ (اپنے آپ کو پیچھے چھوڑ دو، اور چلے آ ؤ)، جواب آیا۔

واعبد رَبّکَ حَتّیٰ یاتیک الیقین۔[۱۳] (اس کی بندگی میں لگے رہو، یہاں تک کہ یقین تمہارے سامنے آجائے۔)

اعلان کی عملی تصویر سیرتِ رسول ﷺ ہے اور اس منزل کے حصول کے لیے بعثت سے لے کر رحلت تک حیاتِ رسول ﷺ کا ایک ایک لمحہ شہادت دے رہا ہے۔ مکی زندگی کا جاں گسل زمانہ ہو یا مدنی زندگی میں پیش آنے والے غزوات و سرایا سب کا مقصود ایک ہی تھا کہ خود تراشیدہ بتوں کی غلامی سے رہائی دلا کر مخلوقِ خدا کو ذاتِ وحدہٗ لاشریک کی دہلیز پر لایا جائے۔ بلاشبہ سیرتِ رسول ﷺ عزم و ثبات کا وہ کوہِ گراں ہے جسے باطل کی کوئی طاقت سر نہ کر سکی۔ اور فکرِ آخرت کے حوالے سے جب ہم سیرتِ طیبہ پر نگاہ ڈالتے ہیں تو معصوم نبی کا چہرۂ انور جب رات کے پچھلے پہر خشوع و خضوع کے سبب آنسوؤں سے تربتر ہو جاتا ہے اور حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہؓ عرض کرتی ہیں یارسول اللہ ﷺ آپ تو معصوم ہیں، آپ اس قدر کیوں آہ وزاری

کر رہے ہیں تو ارشادِ رسول ﷺ ہوتا ہے:

افلا اکون عبدا شکورا۔[۱۴]

(کیا میں اپنے خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔)

تعمیر سیرت کے حوالے سے دو اہم نکات بنیادی اہمیت کے حامل ہیں:

☆ پہلا نکتہ بے داغ سیرت؛ اور اس حوالے سے جب ہم آنحضرتؐ کے اسوۂ حسنہ کی طرف نگاہ اُٹھاتے ہیں تو قرآن شہادت دیتا ہے کہ جس وقت مکہ والوں نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نبوت کی دلیل طلب کی تو چاند کو دو ٹکڑے کرنے والے، بے جان کنکریوں کو کلمہ پڑھانے والے، درختوں کو انگلی کے اشارے سے بلانے والے، جانوروں کی بولیاں سُن کر اُن کی دادرسی کرنے والے پیغمبرؐ نے کسی چیز کو بھی اپنی نبوت کے معجزے کے طور پر پیش نہیں فرمایا بلکہ ارشاد فرمایا:

فقد لبثت فیکم عُمراً من قبله افلا تعقلون۔[۱۵]

مکہ کے رہنے والو! میں نے چالیس بہاریں اسی مکہ کی وادی میں گزاری ہیں۔ اس تمام مدت میں میری زندگی تمہاری آنکھوں کے سامنے رہی۔ اس تمام عرصہ میں کوئی ایک بات بھی سچائی اور امانت کے خلاف مجھ میں دیکھی؟ زمانہ شاہد ہے رسول عربیؐ کے راستے میں کانٹے بچھانے والوں، قتل کے منصوبے بنانے والوں کے پاس پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔

☆ سیرتِ نبویؐ کے اعجاز کے حوالے سے بھی اپنے محبوب پیغمبر کی زندگی کی طرف ایک نظر دیکھ لیجیے۔ آپ اعتکاف کے لیے مسجد نبویؐ میں تشریف فرما ہیں، آپ کی زوجہ محترمہ صفیہ بنت حیی آپ سے ملاقات کے لیے آتی ہیں۔ آپ انہیں رخصت کرنے کے لیے مسجد سے باہر تشریف لاتے ہیں۔ تاریکی چھائی ہوئی ہے اور اوپر پگڈنڈی سے ایک صحابیؓ رسول گزر رہے ہیں، اُن کی نظر نیچے پڑتی ہے، آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہچان کر رُخ دوسری طرف کر لیتے ہیں کہ یکایک آنحضرت ﷺ کی آواز بلند ہوتی ہے اے فلاں! یہ میرے ساتھ کھڑی

خاتون صفیہ بنت حیی ہیں اور یہ میری بیوی ہیں۔[۱۶] یہ اس پیغمبر کی آواز ہے جو ارشاد فرماتے ہیں: تہمت سے نہیں مواضعاتِ تہمت سے بھی بچو۔

بلاشبہ کردار کی تعمیر کے لیے زندگی کو صحیح معنی میں زندگی بنانے کا ایک ہی نسخۂ کیمیا ہے کہ نقش پائے مصطفیٰ ﷺ پر چل کر اپنی حیاتِ مستعار کا رُخ متعین کیا جائے۔

حواشی:

[۱] الصحیح للمسلم، باب الاحسان الی الارملة۔

[۲] الترغیب و الترھیب، از البانی، حدیث رقم ۴۴-۴۶۔

[۳] الصحیح للمسلم، کتاب الایمان، باب آخر اھل النار خروجاً۔

[۴] مسند احمد بن حنبل، حدیث السیدہ عائشہؓ۔

[۵] سورۃ المزمل، آیت ۴-۶۔

[۶] الصحیح للبخاری، باب و قول النبیؐ من اعلیٰ مکة۔

[۷] زاد المعاد، جزء خامس ا۔

[۸] زرقانی، جلد ۲، ص ۳۴۶۔

[۹] سیرتِ سلمان فارسی، ص ۱۲۰۔

[۱۰] سیرتِ حلبیہ، جلد اوّل، ص ۱۷۱، مسند احمد بن حنبل، حیاۃ الصحابۃ، ج ۱، ص ۹۲۔

[۱۱] السیرۃ النبویہ، ابنِ کثیر، جلد اوّل۔

[۱۲] سورۃ الزلزال، آیت ۷-۸۔

[۱۳] سورۃ الحجر، آیت ۹۹۔

[۱۴] الصحیح للبخاری، باب قیام النبی ﷺ۔

[۱۵] سورۃ یونس، آیت ۱۶۔

[۱۶] الصحیح للبخاری، باب زیارۃ المرأۃ زوجھا فی اعتکاف۔